© rasailojaraid.com

جب شکست، فتح میں بدل گئی!

صلح حدیبیہ کا ایک تاثراتی مطالعہ

پروفیسر خورشید احمد

انسان بہت زود اثر واقع ہوا ہے۔ اس کی نگاہ بڑی محدود ہے۔ ذرا سی بات بھی اگر خلافِ توقع ہو جائے تو اس کے دل و دماغ پر تاریکیوں کے بادل چھا جاتے ہیں۔ ایک معمولی سا واقعہ بھی اسے کبھی نااُمیدی کی پستیوں میں گرا دیتا ہے اور کبھی مسرت کی اوجِ ثریا پر پہنچا دیتا ہے۔ اسلام نام ہی اس کیفیت سے سرشار رہنے کا ہے کہ خوشی اور ناخوشی دونوں صورتوں میں اعتدال و صداقت پر انسان قائم رہے، لیکن فطرت کے ہاتھوں مجبور انسان صبر کم ہی کرتا ہے۔ اور جہاں ذرا بھی توقعات کا طلسم ٹوٹا، اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ ؎

کس طرف جاؤں، کدھر دیکھوں، کسے آواز دوں
اے ہجومِ نااُمیدی، جی بہت گھبرائے ہے

بلکہ اگر چوٹ ذرا بھی سخت ہو تو عالم یہ ہو جاتا ہے ؏

کہ دامانِ خیالِ یار چُھوٹا جائے ہے مجھ سے

یہ انسانی فطرت کا ایک عجیب و غریب پہلو ہے۔ فرد کتنا ہی سمجھ دار ہو، لیکن اپنے اردگرد رُونما ہونے والے واقعات سے پیہم اثر لیتا ہے۔ جس چیز سے جتنا زیادہ متعلق ہوتا ہے، اور جتنا گہرا تعلق ہوتا ہے، وہ اس سے اتنا ہی شدید اثر بھی قبول کرتا ہے۔ جہاں توقعات جتنی زیادہ ہوں، وہاں ان کے ٹوٹنے پر شدّتِ تاثر بھی اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ایک نہیں ہزاروں مواقع ایسے آتے ہیں، جب بظاہر امیدوں کے چراغ گل ہوتے نظر آتے ہیں اور اضطراب و مایوسی انسان کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ سمجھ دار سے سمجھ دار اور حقیقت آشنا شخص بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فوری طور پر تو ایک دھچکا محسوس کرتا ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ دنیا نام ہی امیدوں کے ٹوٹنے اور توقعات کے پامال ہونے کا ہے۔ یہاں کا چلن ہمیشہ سے یہی ہے اور اس زمانے میں جب ہر طرف مادہ پرستی اور ذاتی منفعت طلبی کا دور دورہ ہے، جب ہر اخلاقی قدر پامال ہو رہی ہے، اور دولت و منصب اور شہرت کا حصول کامیابی کا اصل پیمانہ بن گئی ہے، تو شکایت بھی کچھ بے جا سی نظر آتی ہے ؎

جب توقع ہی اٹھ گئی غالبؔ
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود غرضی کے اس سیلاب کے باوجود کچھ مقامات و مناصب ایسے ہیں کہ انسانی فطرت ان سے توقعات وابستہ کرنے پر اپنے کو مجبور پاتی ہے۔ ہزار معیارات بدل جائیں، لیکن ماں باپ سے، استاد اور معلم سے، دوست اور ساتھی سے، معاشرے کے شریف اور مقتدر لوگوں سے، علما اور فضلا سے، قاضی اور منصف سے انسان بہترین توقعات وابستہ کرنے پر اپنے کو مجبور پاتا ہے۔ ماں باپ کتنے ہی شقی ہوں لیکن اولاد کی امیدوں کا مرکز رہیں گے۔ استاد کتنا ہی گیا گزرا ہو، طالب علموں کی توقعات کا محور رہے گا۔ معاشرے کے مقتدر لوگوں کے ہاتھوں کتنے ہی چرکے لگیں، لیکن پھر نگاہ انھی کی طرف اٹھے گی۔ منصف اور جج کتنی ہی بُری مثال قائم کرے، پھر بھی مظلوم انسان ظلم کی دادرسی اور حق و انصاف کے حصول کی امیدیں انھی سے وابستہ کریں گے۔ ارباب حکومت اور قائدین و محافظ خواہ کیسی ہی زیادتیاں اور بے قاعدگیاں کریں، لیکن ان سے رشتۂ اُمید کُلی طور پر منقطع نہ ہوگا____

ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے انسانی معاشرے میں اُمیدوں کا گویا ایک قانون ثقل جاری و ساری ہے۔ توقعات آپ سے آپ کچھ مقامات اور مناصب کی طرف کھنچتی اور مرکوز ہوتی ہیں۔ بلالحاظ اس کے کہ ان کا استقبال کس طرح ہو اور پھر جب اپنے مرجع پر جا کر وہ لوٹ آتی ہیں یا پاش پاش ہو جاتی ہیں تو دل پر ناقابلِ برداشت چوٹ لگتی ہے۔ احساس کے تاروں میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے، مایوسی اور نا امیدی کی تاریکی چھانے لگتی ہے____ لیکن یہ بھی ایک عجب حقیقت ہے کہ نااُمیدی کے انھی بادلوں میں سے پھر توقعات کے نئے آفتاب و ماہتاب رُونما ہوتے ہیں، اور انھی کے سہارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندگی اپنا راستہ طے کرتی چلی جاتی ہے۔

یہ واقعہ بھی ایک ایسے ہی دن کا ہے! صبح ہی جو پہلی خبر مجھ کو ملی وہ توقعات کے بہت سے گھروندوں کو توڑ دینے والی تھی، ذہنی کش مکش تو شروع ہی سے تھی۔ کبھی دل توقعات وابستہ کرتا اور اُمیدوں کے چراغ روشن کرتا تھا اور کبھی ان پر شک کے پردے ڈالتا تھا۔ اسی پیچ وتاب میں ذہن نا امیدی کی طرف جھک گیا، لیکن پھر ایک خیال اُبھرا ؎

وہ اور پاس خاطر اہلِ وفا کرے
اُمید تو نہیں ہے، مگر ہاں ، خدا کرے

اس 'ہاں خدا کرے' نے پھر توقعات کے رشتے استوار کر لیے اور میں اسی چنیں اور چناں میں تھا کہ وہ اطلاع مل گئی جس کا خطرہ تھا، لیکن جسے ماننے کے لیے دل تیار نہ ہو رہا تھا۔ ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا___ جھوٹی اُمیدوں اور مصنوعی توقعات کا طلسم بھی بڑا حسین اور طرح دار ہوتا ہے، مگر جب وہ طلسم ٹوٹتا ہے تو اس کے جلو میں تاریکیوں کا ایک سیلابِ بلاخیز اُمڈا چلا آتا ہے۔ میں بھی ایک لمحے کے لیے سکتے میں آ گیا ع

جن پہ تکیہ تھا ، وہی پتّے ہوا دینے لگے

پھر وہ چوٹ اور بھی سخت ہوتی ہے، جب ایسا سلوک ایک حق دار کے ساتھ کیا جائے، جب چرکے پر چرکے اس مظلوم کو لگیں، جو حق و انصاف پر ہو اور جس کے حقوق پامال ہو رہے ہوں۔ جب ایسا مستحق محروم کیا جاتا ہے تو اس کا زخم بڑا گہرا ہوتا ہے!

جو زخم میرے لگا تھا وہ بھی بڑا سخت تھا! لیکن یہی وہ مقام ہے جہاں سے خدا پر یقین رکھنے والے اور رب کے دامن کو چھوڑ دینے والے ایک ہی جیسے حالات کا شکار ہو کر بھی دو مختلف راہیں اختیار کرتے ہیں۔ ہجومِ غم اور یورشِ اضطراب میں میرا دل چوٹ کھانے کے باوجود مایوسی اور بغاوت کا شکار نہ ہوا بلکہ لوحِ حافظہ پر یہ ارشادِ ربانی ابھرنا شروع ہوا:

وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـــًٔا وَّھُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ ۲:۲۱۶) عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمھارے لیے مضر ہو اور ان باتوں کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ـــــ

فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (النساء ۴:۱۹) پس، عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت سی بھلائی پیدا کرے۔

میں ان آیات کو پڑھتا رہا ـــــ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ ابھی نازل ہوئی ہیں، جیسے میں نے آج ہی ان کو پایا ہے۔ زبان ان الفاظ کو خموشی کے ساتھ ادا کرتی رہی، دل ان کو جذب کرتا رہا، نااُمیدیوں کے بادل چھٹتے رہے، توقعات کے ٹوٹنے سے جو زخم لگے تھے وہ مندمل ہونے لگے، ایسا محسوس ہوا کہ اس پر اکسیر صفت پھاہا رکھ دیا گیا ہے، جس نے زخم میں فوراً ٹھنڈک ہی نہیں ڈال دی بلکہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھرنے بھی لگے۔

میرا دل پکار اٹھا کہ تقدیر کا عقیدہ یقیناً ایک عظیم انسانی ضرورت ہے: والقدر خیرہ وشرّہ من اللہ تعالیٰ میں وہ گہری تاثیر ہے کہ اس کا جواب نہیں ہوسکتا۔ اس میں قدرت کا خزانہ اور رحمت کا ذخیرہ ہے۔ یہ تصور، جہاں ایک طرف تقدیر کو بنانے کے داعیے اور ذوقِ عمل کو بیدار کرنے کا کام کرتا ہے تو وہیں نتائج کے بارے میں ایک عدیم المثال بے نیازی بھی پیدا کر دیتا ہے ـــــ انسان محسوس کرنے لگتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے، اس کے پیچھے ایک حکمت بالغہ کارفرما ہے۔ وہ تنہا نہیں، نتائج اس کے یا کسی اور کے نکالے نہیں نکل رہے۔ اس پردے کے پیچھے کوئی عظیم الشان قدرت کارفرما ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا کام اپنا فرض ادا کرنا ہے، نتائج اپنی فکر آپ کریں! جو دن میں رات اور رات میں سے دن کو پیدا کرتا ہے، جو زندہ میں سے مُردہ اور مُردہ میں سے زندہ کو نکالتا ہے، جو ہر چیز پر قادر ہے، اس کی تدبیر ہر شے میں کارفرما ہے۔ انسان کیسی ہی چالیں چلے، شیطان کیسے ہی منصوبے بنائے، اس کی تدبیر کو غیر مؤثر نہیں بنا سکتا۔

اچھا یقین نہیں ہے تو کشتی ڈبو کے دیکھ
ایک تو ہی ناخدا نہیں ظالم، خدا بھی ہے

یہی وہ احساس ہے جو انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کی مایوسیوں میں ایک مسلمان کو تخریب پسندی اور شکستِ ہمت سے بچاتا ہے اور اس میں زندگی کی نئی روح پھونک دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کافر جس مقام پر مایوس ہو کر خودکشی تک کر لیتا ہے، مسلمان اعتمادِ الٰہی اور تقدیرِ خداوندی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر اطمینان کے سہارے اصلاحِ حال کی بیش از بیش محنت اور جدوجہد میں مصروف ہو جاتا ہے۔ کافر جس مقام سے اجتماعی بگاڑ اور فساد و تخریب کی راہ پر لگ جاتا ہے، مومن وہاں سے اصلاح اور تعمیر کے راستے کو اختیار کرتا ہے۔

خیالات کا یہ سلسلہ نہ معلوم کب تک جاری رہا، زمانی اعتبار سے خواہ اس میں چند منٹ ہی صرف ہوئے ہوں، لیکن معلوم ہوتا تھا جیسے طائرِ خیال ،زمان ومکان [Time and Space] کی وسعتوں کو کھنگال کر واپس آیا تھا، میری پریشانی اب بڑی حد تک دُور ہوگئی تھی۔ عزم وہمت کا ایک چشمہ سا اُبلنے لگا تھا، تاریکیاں چھٹ رہی تھیں اور روشنی پھیل رہی تھی ___ میں نے کتاب اللہ کو اٹھایا، اسے چوما اور غیرارادی طور پر جو سورت مطالعے کے لیے میرے سامنے کھلی، وہ سورت الفتح تھی:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ (الفتح ۴۸:۱-۳) [اے محمدؐ!] ہم نے تم کو فتح دی، فتح بھی صریح اور صاف تاکہ خدا تمھارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دے اور تمھیں سیدھے راستے پر چلائے اور خدا تمھاری زبردست مدد کرے۔

معلوم نہیں، قرآن سے فال نکالنے والے اسے کیا کہیں گے ___ میرا نہ یہ ذوق ہے اور نہ میں نے کبھی ایسا کیا ہی ہے، البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس سورۃ کا نکلنا ایک عطیۂ رحمانی ثابت ہوا۔ اس کے مطالعے نے ایک عجیب کیفیت پیدا کر دی۔ بار بار پڑھتا تھا اور چشمِ تخیل چودہ سو سال پہلے کے ایک عظیم تاریخی واقعے کا نظارہ کر رہی تھی۔

طوافِ کعبہ خلاف قانون ہو گیا

کعبہ ویسے تو ساری ملت ابراہیمی ہی کا مرکز ومحور ہے، لیکن امت مسلمہ کا تو یہ دل ہے، دھڑکتا ہوا دل! خدا کی زمین پر خدا کا پہلا گھر، جسے ابوالانبیا حضرت ابراہیمؑ اور ان کے صابر وشاکر فرزند نے اپنے ہاتھوں سے بنایا، خدائے واحد کی مناجاتوں کے ساتھ اس کی تعمیر کی، ساری انسانیت کے لیے اسے مسجود بنایا ___ یہی وہ کعبہ تھا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شب وروز عبادتِ الٰہی میں گزارے، جہاں معبودِ حقیقی کا کلمہ بلند کرنے پر آپ کو طرح طرح کے مصائب کا نشانہ بنایا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس کے سایے میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دعوتِ اسلامی کے اوّلین ماہ و سال گزارے۔ جہاں سورۂ رحمٰن کی تلاوت کر کے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مار کھائی۔ جہاں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اعلانِ حق کر کے پٹے۔ جہاں عمر فاروقؓ نے نماز باجماعت ادا کرا کے اسلام کی حقانیت کا اعلان کیا___ کتنے خوش نصیب تھے وہ اور اپنی اس قسمت پر کتنے نازاں تھے کہ

وہ کعبہ جسے دیکھ لینا عبادت ہے
مسلسل ہے پیشِ نظر اللہ اللہ

لیکن ظالموں نے اس کعبے کی رفاقت سے اہل ایمان کو محروم کر دیا۔ انھیں مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور کیا اور اس کے بعد اللہ کے اس گھر اور حق کی اس آیت کو ایک نظر دیکھنا تک ان پر حرام کر دیا۔ مسلمانوں کے لیے اس کا طواف بھی 'غیر قانونی' قرار دیا گیا۔ اور ایک نہیں کئی واقعات ایسے ہیں، جب خاموشی سے بھی اگر کوئی مسلمان ایمان کے اس محور کی زیارت کو چلا گیا تو اس کے لیے جان بچا کر واپس آنا مشکل ہو گیا۔

اپنے اس 'محبوبِ نظر' کو دیکھے ہوئے مسلمانوں کو چھے سال بیت گئے۔ ظلم کا قانون ان کے اور ان کے محبوب نظر کے درمیان حائل ہو گیا، اور وہ اسے ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب تھے۔ اس کا تو ایک لمحے کے لیے بھی ان کی نگاہوں سے اوجھل ہونا ان کے دل پر شاق تھا، کجا فرقت میں چھے طویل اور صبر آزما سال گزر گئے۔ جس سے رخصت ہوتے وقت خود پیکر حلم وصفا اور صبر و ثبات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ بار بار اس کی طرف نگاہ اُٹھا کر ارشاد فرماتے تھے کہ: ''خدا کی قسم تو اللہ کی بہترین زمین ہے اور اللہ کی نگاہ میں سب سے بڑھ کر محبوب ہے۔ اگر یہاں سے مجھے نکالا نہ جاتا تو میں کبھی نہ نکلتا۔ (ترمذی، کتاب المناقب، باب فی فضل مکۃ، حدیث: ۳۹۲۵)

تصور کیجیے، پھر چھے سال محرومیِ نظارہ کے بعد آپؐ کا اور آپؐ کے ساتھیوں کی بے قراری کا کیا حال ہوگا؟ ایک خلش تھی جو ہر وقت بے چین کیے رکھتی تھی، ایک چبھن تھی کہ جو بے تاب کیے ہوئے تھی، ایک بے قراری تھی کہ جو کسی طرح دُور نہ ہوتی تھی اور ایک ٹیس تھی کہ رفیقِ جان بن گئی تھی۔ سب کچھ میسر تھا مگر ایک خلا تھا کہ اسے کوئی شے پر نہ کر سکتی تھی۔ ہر شخص کا عالم یہ تھا کہ ع

جیسے ہر شے میں کسی شے کی کمی پاتا ہوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت بلالؓ مکہ میں کتنے ستائے گئے، تپتی ریت پر گھسیٹے گئے، جلتی سلوں کے نیچے دبائے گئے، جسم اور روح اذیت کا نشانہ بنائے گئے، لیکن محبوب سے تعلق میں ان باتوں سے کب کمی ہوتی ہے! مکہ کی یاد بے کل کیے رہتی، پہروں اسے یاد کر کر کے روتے اور پکار پکار کر یہ اشعار پڑھتے (بخاری، باب مقدم النبیؐ واصحاب المدینہ):

الا لیت شعری هل أبیتن لیلة
بوادٍ وحولی اذخرٌ و جلیلٌ

(کاش! مَیں مکہ کی وادی میں ایک رات بسر کرسکتا اور میرے چاروں طرف اذخر و جلیل ہوتیں)۔(البدایۃ والنہایۃ، ج ۳،ص ۲۲۱)

وهل اردن یومًا میاه مجنه
وهل یبدون لی شَامَة و طفیل

(کاش! ایک دن میں مجنہ کے چشموں سے اُترتا اور شامہ و طفیل (پہاڑوں) کو دیکھ سکتا۔)

ایک اُمید

یہی مکہ تھا جسے دیکھ لینے کی ایک اُمید پیدا ہوگئی ـــــ کعبے سے، اس محبوب نظر اور مقصود و مسجود کے نظارے سے، آنکھوں کو پھر شاد کام کرنے کی صورت نکل آئی، حجرِ اَسود کو پھر چوم لینے کا امکان رُونما ہوگیا، بیت اللہ کے گرد پروانہ وار گردش کرنے کی توقع اُبھر آئی۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رویاے مبارکہ دیکھا کہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھی (اللہ کی رحمتیں ہوں ان سب پر) عمرے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔ ''پیغمبرؑ کا خواب بھی وحی کی اقسام میں سے ایک قسم ہے اور اللہ تعالیٰ نے خود توثیق فرمادی کہ یہ خواب ہم نے رسولؐ کو دکھایا تھا'' ۔(تفہیم القرآن، ج ۵،ص ۳۴)

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ ؕ (الفتح ۴۸:۲۷) فی الواقع اللہ نے اپنے رسولؐ کو سچا خواب دکھایا تھا جو ٹھیک حق کے مطابق تھا۔ ان شاء اللہ تم ضرور مسجدِ حرام میں پورے امن کے ساتھ داخل ہوگے، اپنے سر منڈواؤ گے اور بال ترشواؤ گے اور تمھیں کوئی خوف نہ ہوگا۔

اس اشارۂ غیبی سے زندگی کی نئی رو پھوٹ پڑی، اُمیدوں کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوکھے ہوئے چشمے ابل پڑے، گرمی وحرارت کی ایک لہر دوڑ گئی، خوشیوں کے شادیانے بجنے لگے، دل بھر گئے اور آنکھیں نم ہوگئیں ـــــ کعبے کی زیارت کی راہ پیدا ہوتی نظر آئی۔ درحقیقت یہ نرا خواب نہ تھا، بلکہ ایک الٰہی اشارہ تھا، جس کی پیروی کرنا آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ضروری بھی تھا۔

پھر کیا تھا؟ ذوق وشوق سے تیاریاں شروع ہوگئیں۔ کفارِ قریش نے چھے سال سے مسلمانوں کے لیے بیت اللہ کا راستہ بند کر رکھا تھا۔ اس پوری مدت میں کسی مسلمان کو انھوں نے حج اور عمرے تک کے لیے حدودِ حرم میں قدم نہ رکھنے دیا تھا (ایضاً، ص ۳۴)۔ اعلان کر دیا گیا کہ مشرق ومغرب، شمال وجنوب ہر سمت میں اطلاعات بھیج دی گئیں کہ زیارت بیت اللہ کے لیے اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی نکلنے والے ہیں۔ جس کے پاس جو کچھ تھا، اس نے اس مقدس سفر کے لیے لا کر پیش کر ڈالا ـــــ چودہ سو مسلمان راہِ حق میں نکل کھڑے ہوئے ـــــ کتنی خوش نصیب تھی وہ سرزمین جس سے نبیؐ کی دعوت پر چودہ سو مسلمان اپنے محبوب تک پہنچنے کے لیے سر ہتھیلی پر رکھ کر نکل کھڑے ہوئے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ (الفتح ۴۸:۱۷)

اور جو شخص خدا اور اس کے پیغمبرؐ کے فرمان پر چلے گا، اللہ اس کو بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔

باطل کے ایوانوں میں ہلچل

حق کے فداکاروں کا یہ اعلان جہاں ان کی قوت کا اظہار، ان کی وحدت اور یک جہتی کا اعلان اور ان کے عزم وجاں فروشی کا آئینہ دار تھا، اور اس سے جہاں سارے عرب کے حق پرستوں میں بجلی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی تھی، وہیں اس خبر نے اہلِ باطل کے ہوش اُڑا دیے۔ ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی، ان کی راتوں کی نیند حرام ہوگئی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جسے ہم نے غربت کے عالم میں یہاں سے نکالا، پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ پوری شان سے یہاں داخل ہو ـــــ ہمارے جیتے جی یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اس طرح تو سارے کیے دھرے پر پانی پھر جائے گا۔ ہم نے تو نکالا ہی اس لیے تھا کہ اس کے اثر سے محفوظ ہو جائیں۔

پھر اس کی قوت کا خاتمہ کرنے کے لیے بار بار ہم نے لشکرکشی کی تھی، لیکن کسی طرح اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوت ٹوٹتی ہی نہیں۔ سب وشتم کا طوفان ہم نے اٹھایا، سختیاں اور شدائد ہم نے کر لیے، مار پیٹ، جیل اور مقاطعہ، غرض ہر حربہ استعمال کر لیا۔ معاملہ قاضی شمشیر کے سپرد بھی کیا، لیکن وہاں بھی بدر کے میدان میں ہمارے ہی جوانوں کی لاشیں تڑپتی نظر آئیں۔ محاصرہ بھی کر دیکھا، لیکن اس چٹان میں کوئی شگاف ہی نہیں پڑا۔ یہ ساری ذلتیں ہم نے اٹھائیں لیکن یہ تو بالکل ہی ناقابلِ برداشت ہے کہ ہمارے ہوتے ہوئے وہ مکہ میں قدم رکھے، کعبہ کا طواف کرے، توحید کا کلمہ بلند کرے، ہمارے بتوں کی نفی کرے اور در و دیوار لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ ، لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ کے نعروں سے گونجیں ـــــ نہیں، یہ نہیں ہو سکتا!

بنیادی حقوق اور فطری انصاف کی پیچیدگی

لیکن آہ! ہم بڑی مشکل میں گرفتار ہیں۔ اس نے یہ سفر جنگ کے لیے نہیں، خالص زیارتِ کعبہ کے لیے اختیار کیا ہے۔ عام مہینوں میں نہیں حرام مہینوں میں اختیار کیا ہے، اسلحے سے لیس ہو کر نہیں آ رہا ـــــ بجز ایک تلوار (اور وہ بھی نیام میں) اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں۔ تمام زائرین حرم کو عرب کے معروف قاعدے کے مطابق سفر کی حفاظتی ضرورت کے لیے ایک تلوار رکھنے کی اجازت تھی، سو اس قاعدے سے تجاوز نہ کیا اور نہ کوئی سامانِ جنگ ساتھ لیا۔ اس نے قربانی کے جانور بھی لے لیے ہیں ـــــ قانون کی پوری پابندی کر رہا ہے، روایات کا مکمل احترام کر رہا ہے، کہیں انگلی رکھنے کی گنجایش نہیں۔

اُدھر کفارِ مکہ اس الجھن میں گرفتار ہو کر رہ گئے کہ اگر ان محترم مہینوں میں ہم ان سے جنگ کرتے ہیں تو ہم برسوں کی روایات کا خون کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اگر زیارت سے روکتے ہیں تو اہل عرب کے ایک بنیادی اور فطری حق سے، جسے ہر دور میں اور ہر گروہ اور قبیلے نے تسلیم کیا ہے، اگر ان کو محروم کرتے ہیں تو یہ انصاف، قانون اور روایات کے صریح خلاف مانا جائے گا۔ سب اسے مذہبی اُمور میں مداخلت قرار دیں گے۔ لوگوں کو یقین دلانے کی اپنی سی کوشش بھی کریں، لیکن اسے مانے گا کون؟

سب اہلِ عرب صاف کہیں گے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھیوں کے لیے اس قدیمی حق کو پامال کیا جا سکتا ہے تو کل ہمارے لیے بھی کیا جا سکتا ہے۔ اگر آج ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باب میں یہ مذہبی مداخلت اور یہ سیاسی دخل اندازی ہوسکتی ہے، تو پھر دوسروں کے لیے بھی ان حقوق اور ان مہینوں کے محترم رہنے کا کیا امکان ہوگا ___ پھر غضب یہ ہے کہ یہ بات چوری چھپے بھی نہیں کی۔ عرب میں اپنے اس سفر اور اس کے مقاصد کا اعلان بھی کردیا ہے ___ یہ سوچ سوچ کر ان کے ذہن ماؤف ہورہے تھے کہ کس مشکل میں گرفتار ہوگئے ہیں۔

''لیکن، کیا ہم اسے آنے دیں؟ نہیں، یہ تو نہیں ہوسکتا۔ ہم کہیں گے کہ زیارت تو محض ایک بہانہ ہے، اصل مقصد تو ہمیں مکہ کے اقتدار سے محروم کرنا ہے۔ یہ صریح طور پر ہمارے خلاف ایک سیاسی انقلاب کا قدم ہے۔ یہ لوگ سماجی قانون ومذہب کے پردے میں ہمارے اقتدار سے کھیلنا چاہتے ہیں۔ ان کی قانون پسندی کے پیچھے قوت کے استعمال کے عزائم موجود ہیں۔ کوئی مانے نہ مانے، ہم یہی سمجھتے ہیں، ہم یہی کہیں گے، ہمارے حلیف قبائل اس کی تائید کریں گے ___ ہم اکیلے ان کے خلاف نہیں لڑیں گے، ہم بھی اپنے تمام حلیفوں کو جمع کریں گے، ان سے ان کے خلاف فتویٰ لیں گے بلکہ ملک بھر میں اس بات کا چرچا کریں گے اور چاہے کچھ ہوجائے مکہ میں ان کو دوبارہ داخل نہ ہونے دیں گے ___ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم تو طواف کعبہ کو ان کے لیے 'غیر قانونی' قرار دیں اور یہ سیدھے وادی القریٰ میں داخل ہوجائیں''۔

قانون، روایات، انصاف، دلیل وبرہان کو شکست ہوئی اور ضد، ہٹ دھرمی اور سیاسی دھاندلی نے بازی جیت لی! قریش نے کاروان حق اور زائران حرم کا راستہ روکنے کا فیصلہ کرلیا۔ سارے ملک میں ہرکارے دوڑائے گئے کہ ایک فیصلہ کن جنگ لڑکر اس تحریک کو اب ختم ہی کردینا ہے:

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ (الفتح ۴۸:۲۶)

جب کافروں نے اپنے دلوں میں ضد کی ___ اور ضد بھی خالص جاہلیت کی۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ (الفتح ۴۸:۲۵) یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روک دیا۔ اور قربانیوں کو بھی روک دیا کہ وہ اپنی جگہ پہنچنے سے رک جائیں۔

حق پرستوں کی حکمت عملی

مخالفین اپنی چالیں چل رہے تھے، قبائل کو جمع کیا جارہا تھا اور جاہلیت کے نام پر انھیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

من مانی کارروائی کے لیے آمادہ کیا جارہا تھا۔ فوجی تربیت دی جارہی تھی۔ مکّہ کے نوجوانوں اور سرپھروں کی ٹولیاں مختلف سمتوں سے بھیجی جارہی تھیں تاکہ کوئی موقع لڑائی کا پیدا ہوجائے اور کوئی واقعہ ایسا رُونما ہوجائے کہ قافلۂ حق پر ہاتھ ڈالنے کی صورت نکل آئے ــــــ اور دوسری طرف ان حرکتوں سے بے نیاز، اللہ کا آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چودہ سو جاں نثاروں کے ساتھ خاموشی اور وقار کے ساتھ سوے حرم رواں تھا۔

جب قافلۂ حق عفان کے پاس پہنچا تو قبیلہ کعب کے ایک شخص نے اطلاع دی کی مکہ سے باہر کے مقام پر قریش اور ان کے حلیف بڑی تعداد میں فوجیں جمع کر رہے ہیں اور خالد بن ولید اور عکرمہ ابن ابوجہل ۲۰۰ سواروں کے ساتھ مقدمہ الجیش کے طور پر کُراعُ الغمیم تک آ گئے ہیں۔ قبیلہ خزاعہ کے رئیس اعظم بُدَیل بن وَرَقا نے صورت حال پر آپؐ کی راے معلوم کی اور اپنی خدمات پیش کیں۔ خدا کے نبی اور قافلۂ زائران کے سردار (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک طرف مسلمانوں کو حکم دیا کہ قریش مقام الغمیم تک آگئے ہیں، اس لیے اس راستے کو چھوڑ کر داہنی طرف سے چلو اور دوسری طرف بذیل بن ورقا اپنے چند معتبر ساتھیوں کے ساتھ آپؐ کے پاس آیا، اور پوچھا:

''آپ کس غرض سے آئے ہیں؟''

آپؐ نے فرمایا: ''ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے، صرف بیت اللہ کی زیارت اور اس کا طواف ہمارے پیش نظر ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ ایک معین مدّت کے لیے مجھ سے صلح کا معاہدہ کرلیں اور اگر وہ اس پر راضی نہیں ہیں تو:

فَمَا تظنُّ قریش فَوَاللہِ لَا ازال اجاھد علی الَّذِی بَعَثَنِی اللہ بِہٖ حَتّٰی یُظھِرَہُ اللہ اَو تَنفِرَدَ ھٰذِہِ السَّالِفۃُ ، معلوم نہیں قریش کس گھمنڈ میں ہیں۔ اللہ کی قسم! میں دین کے لیے اس وقت تک جہاد کروں گا، جب تک اللہ، دین کو غلبہ نہ عطا کردے یا دستِ اجل مجھ پر قبضہ نہ کرلے۔ (تاریخ الطبری، ج ۲،ص ۱۱۷)

عزم وہمت اور یقین اور جاں بازی کے اس اعلان سے قریش میں کھلبلی مچ گئی۔

داعیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے تدبیر اور حکمت عملی، اظہار عزم اور پختگی دونوں کو بیک وقت استعمال فرمایا۔ ایک طرف صحیح وقت کا انتخاب، صحیح طریقے کی پابندی، راے عامہ کی ہمواری،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصول وقانون کی پابندی، صلح وسفارت کی پروقار کوششیں، قدم قدم پر رُونما ہونے والی اشتعال انگیزیوں (provocations) پر صبر وتحمل ___ اور دوسری طرف پختہ عزم اور حق کی خاطر جان لڑا دینے اور آخری بازی تک کھیل جانے کا برملا اظہار!

باطل کے کیمپ میں

قریش شدید پریشانی اور خلفشار میں مبتلا ہوگئے اور باطل کی قوتیں سخت کش مکش کا شکار۔ ایک گروہ کہتا کہ ''ہم لڑے بغیر نہیں مانیں گے۔ ہماری آنکھوں میں خون اترا ہوا ہے اور اس تحریک کو مٹائے بغیر ہماری پیاس نہیں بجھے گی''۔ یہ گروہ نہ صرف سب کو جنگ کرنے اور قانون کو پامال کرنے پر اُکسا رہا تھا، بلکہ خود اپنیؑ ہی تحریک پر ایسی حرکتیں بھی کر رہا تھا کہ کسی طرح لڑائی کی آگ بھڑک اٹھے۔ اس اونٹنی کو مار دیا گیا، جس پر سوار ہو کر حضرت خراش شہر میں گئے تھے۔

ایک دستے نے مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کی اور پتھر اور تیر تک پھینکے، لیکن مسلمانوں نے لڑنے کے بجاے ان کو گرفتار کرلیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رہا کر دیا لیکن اس کے باوجود یہ گروہ جنگ کی آگ کو بھڑکانے کے لیے بے چین تھا، اور سارے حقوق وروایات کو پامال کرنے کے درپے۔ دوسرا گروہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر تو قائم تھا لیکن اس تبدیل شدہ صورتِ حال نے اس کی پریشانی کو چند در چند کر دیا تھا، اور حضورؐ کی حکمت عملی اور عزم وثبات نے اس کے قدموں کو متزلزل کر دیا تھا۔ پھر قبائل میں سے ایسے بھی تھے جو قریش سے مفاد کی وابستگی اور دوستی کے معاہدے کی وجہ سے جمع تو ہو گئے تھے، لیکن ان کے دل مطمئن نہ تھے اور وہ برابر ضمیر کی چبھن محسوس کر رہے تھے۔ تاہم، قریش بحیثیت مجموعی اپنی ہٹ پر قائم تھے اور ان کا اصرار تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں کبھی داخل نہیں ہو سکتے۔

باطل پرستوں میں سے ایک آواز حق

ضد وہٹ دھرمی ومفاد طلبی اور باطل پرستی کے اس ماحول میں ایک واقعہ ایسا بھی رُونما ہوا، جس نے بُرے حالات میں بھی رفقا کو بچا لیا۔ قریش کی صفوں میں ایک سے ایک شقی اور دشمن حق تھا اور وہ قافلۂ حق کا راستہ روکنے کے لیے ہر اوچھی سے اوچھی حرکت کرنے کے لیے بھی تلا ہوا تھا ___ لیکن انھی صفوں سے احابیش کا سردار حُلیس بن علقمہ بھی نکل کر سامنے آیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حُلیس کے سامنے جب بدیل بن ورقا نے یہ شہادت پیش کی، پھر مکرز بن حفص نے بھی اس امر سے مطلع کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی قانون پسند اور پُرامن ہیں اور جنگ کرنے نہیں بلکہ زیارت حرم کے لیے آئے ہیں، تو اس کے ضمیر نے قریش کی زیادتی، قانون کی خلاف ورزی اور فطری انصاف اور صدیوں کی روایات کی پامالی پر سرزنش کی۔ اور وہ کہتا ہے کہ میں تحقیقِ حال کے لیے جاتا ہوں۔ پھر جب اس غیرمسلم نے زائرین کعبہ کو دیکھا اور اسے اپنے سامنے، زائرین کے لائے ہوئے قربانی کے اونٹ نظر آئے، تو اس نے مفاد پرست قریش اور ان کے ناجائز دباؤ کے خلاف بغاوت کی اور قریش کے سامنے ان کی افواج کی موجودگی میں پوری ہمت اور قوت کے ساتھ اعلان کیا کہ:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو زیارت کے لیے آئے ہیں۔ تمھیں ان کو اس حق سے محروم کرنے کا اختیار کب ہے؟ میں نے قربانی کے اونٹ اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں —— قانون کی خلاف ورزی تم کر رہے ہو، وہ نہیں —— [اس پر قریش کے سرپھرے نوجوان مذاق اڑانے لگے —— اسے دیکھو! دیہاتی آدمی ہے! یہ ان باتوں کو کیا جانے۔]

حُلیس کوئی معمولی آدمی نہ تھا۔ عرب کے مشہور تیراندازوں میں سے تھا۔ اس کا قبیلہ تیراندازی میں اپنا نام رکھتا تھا۔ اس وقت مختلف قبیلوں کی فوج کا سردار تھا۔ اس بے ہودگی پر اسے سخت غصہ آیا اور اس نے صاف اعلان کر دیا——

اے قریش! قسم ہے معبود کی، ہم نے تم سے اس بات پر عہد نہیں کیا ہے اور نہ ہم نے قسم کھائی ہے کہ جو شخص خانہ کعبہ کی زیارت کو آئے ہم اس کو روک دیں —— قسم ہے خدا کی جس کے قبضے میں حلیس کی جان ہے —— یا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زیارت کرنے دو، ورنہ میں ایک دم میں اپنا تمام لشکر لے کر چلا جاتا ہوں۔ (سیرت ابن ہشام، ص ۴۵۰)

تھی تو یہ ایک ہی آواز! لیکن قریش میں کھلبلی مچ گئی۔ سب سکتے میں آگئے۔ انھوں نے پریشان ہو کر کہا: ''ٹھیرو تو! غصہ کاہے کا ہے؟ ہم ذرا اطمینان تو کرلیں''۔

اس کشیدگی کو دُور کرنے کے لیے ایک تجربہ کار آگے بڑھا —— یہ تھا عروہ بن مسعود ثقفی۔

عروہ نے کہا: کیوں قریش، کیا میں تمھارا باپ اور تم میرے بچے نہیں؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بولے: ہاں، بلاشک۔

عروہ: میری نسبت تمھیں کوئی بدگمانی تو نہیں۔

سب نے کہا: نہیں۔

عروہ: اچھا تو مجھے اجازت دو کہ میں خود جا کر معاملہ طے کروں۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صلح کی معقول شرطیں پیش کی ہیں ___ کھچاؤ کم ہوا ___ اور سفارت کا باقاعدہ آغاز ہو گیا۔

اہل حق کا عزم

ادھر سفارت اپنا کام کر رہی تھی اور ادھر شر پسند خاموش نہ تھے۔ وہ کسی طرح لڑائی شروع کرا دینا چاہتے تھے۔ بار بار اشتعال انگیزی کی کوشش کرتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی ٹولیاں مسلمانوں کے پڑاؤ میں گھستی تھیں، پتھر پھینکتے تھے، تیر چلاتے تھے ___ لیکن قافلۂ حق کے راہی صبر و تحمل کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ قائد صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرما دی تھی کہ: ہمیں ہر زیادتی کو برداشت کرنا ہے اور لڑائی سے حتی الامکان بچنا ہے، اِلّا یہ کہ ہم مجبور کر دیے جائیں ___ کیا مجال تھی کہ مسلمان اس ہدایت سے سرمو انحراف کریں۔ ہر شخص پوری ہوشیاری اور سمجھ داری کے ساتھ اس بنیادی ہدایت کی روشنی میں ہر نئی صورت حال کا مقابلہ کر رہا تھا۔

یہی حلم، تدبر، حکمت، صلح پسندی، صبر و ثبات اور اطاعت امر کا جذبہ تھا، جس کی وجہ سے مخالفین حق اپنی ایک زبردست چال میں ناکام ہو گئے اور ان کی ساری فتنہ انگیزیاں بے نتیجہ رہیں۔

لیکن کیا یہ صلح پسندی اور تحمل و برداشت کسی کمزوری کا نتیجہ تھا؟ یا اس سے اہل حق کے عزم میں کوئی کمی واقع ہو گئی تھی؟ ___ نہیں، ان کا جذبۂ سرشاری اپنے عروج پر تھا، حق کی حمیت اپنے حقیقی رنگ میں موجود تھی، فداکاری کا داعیہ ہر ہر عمل سے نمایاں تھا ___ اور پھر تحمل و برداشت کی بھی ایک حد تھی۔ داعی اپنے اصلی عزم کا اظہار برملا کر رہا تھا اور حق کی خاطر جینے اور حق کی خاطر جان دے دینے کا جذبہ پورے کاروانِ حق میں کارفرما تھا۔

اور اس کا اعلیٰ ترین مظہر، بیعت رضوان ہے! (جاری)

© rasailojaraid.com